اب زیست بیل بکھر گئے گل
رخ چودھری
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com

"خوب جانتا ہوں میں اپنی شاعری اور افسانوں میں کس سے مخاطب ہوتی ہو تم۔" تجمل مرزا نے تحقیر آمیز نگاہ اصفیاء بیگم پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"اول روز سے آپ کے منہ سے اسی قسم کے طنزیہ جملے سنتی چلی آ رہی ہوں میں، آخر آپ بتاتے کیوں نہیں ہیں میری ذات آپ کے لیے اتنی بے اعتبار کیوں ہے۔" اصفیاء بیگم کی آواز شدت غم سے رندھ سی گئی تھی۔

"دل کو ٹٹولو جھانکو اس میں خود سے پوچھو اس کا جواب تم مجھے بے وقوف سمجھتی ہو! یہ تمہاری خام خیالی ہے اصفیاء بیگم کہ اعزاز اور تمہارے عشقیہ تعلقات کا مجھے علم نہیں میں تو تم دونوں کے تعلق سے اس وقت سے باخبر تھا جب کہ تم میرے وجود سے میری آمد سے بھی بے خبر تھیں۔" وہ نہایت کٹیلے لہجے میں بولے تو اصفیاء بیگم کا دل لہو لہو ہو گیا۔

"کچھ تو خدا کا خوف کیجئے اعزاز بھائی کو ہمیشہ میں نے بڑے بھائی کا درجہ دیا ہے آپ کی زبان نہ جانے کیوں ان کے خلاف ہمیشہ ہی آگ اگلتی رہی ہے، اگر ذرہ برابر بھی کوئی دلچسپی ان کی ذات [illegible] ہوتی یا کوئی نرم جذبہ ان کے لیے میں اپنے دل میں محسوس کرتی تو ان کو ہم سفر زندگی کے طور پر چن لینا اور پھر اپنے انتخاب کو حاصل کر لینا میرے لیے مشکل نہ تھا کہ مجھے باپ کی طرف سے اس سلسلے میں پوری حمایت، آزادی اور طرفداری حاصل تھی۔ آپ بہتان تراشی کر رہے ہیں میرے کردار پر آخر کس بنیاد پر آپ یہ سب کچھ کر رہے ہیں اعزاز بھائی کل بھی میرے لیے ایک بھائی کی حیثیت سے محترم، مقدم اور قابل عزت تھے اور آج بھی آپ کسی گندی سوچ کو ذہن میں جگہ نہ پانے دیں جھٹک دیں ایسی فضول سوچیں۔" دل کا درد اصفیاء بیگم کے لہجے سے جھلک رہا تھا۔

"کس دل سے کہہ رہی ہو یہ سب واہ بھئی بڑا جی ہے تمہارا تمہارے حوصلے کی تو داد واجب ہے مجھ پر اکثر محبوبائیں ناکامی عشق کے بعد عاشق صاحب کو بھائی بنا لیتی ہیں جانتا ہوں ویسے بھی اب رشتے کے لحاظ سے اعزاز دلکش کا ماموں لگتا ہے۔" تجمل مرزا نے استہزائیہ انداز میں ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ "سچ بتاؤں کبھی کبھی تو میرے دل میں بھی اس نامراد عاشق کے لیے ہمدردی کے جذبات ابھر آتے ہیں ہا! بے چارہ سخت سردی میں کتنی مشقت اٹھا کر بارش ہو یا آندھی طوفان محض تم سے ملاقات کی خاطر سرد ہواؤں، کالی گھٹاؤں کی پرواہ کیے بغیر دھان پان سا اس کا وجود اڑتا، لڑھکتا، پڑھکتا چلا آتا تھا بڑی جدوجہد کرتا تھا محنتی جو ٹھہرا وہ بھی پیدل کیچڑ میں لتھڑے چپلوں سمیت آیا کرتا تھا اس کے لباس پر گندی ٹین کی چھتوں کو دھوتے بارش کے پانی کے چھینٹے یوں پڑے ہوتے تھے کہ سارے کپڑے منقش ہو جاتے تھے کبھی کبھی چہرہ تک ساری محنت اکارت گئی اس بے چارے کی چہ، چہ، چہ ویسے تم ہو بہت طوطا چشم محبت کی پینگیں اس سے بڑھائیں اور شادی کی مجھ سے یوں جیسے کسی پنچھی کو قابو میں کر کے پھڑپھڑاتا چھوڑ دیا جائے پنجرے میں وہ حال کیا ہے تم نے اس کا۔" تجمل مرزا اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے انگارے برساتے لہجے میں بول رہے تھے۔

"شک نے آپ کا دماغ آلودہ کر دیا ہے میں بار بار کہہ چکی ہوں کہ اس قسم کا کوئی تعلق نہیں رہا ہے میرے اور اعزاز بھائی کے درمیان آخر آپکو کیسے اور کب یقین آئے گا۔" اصفیاء بیگم ڈبڈباتے لہجے میں بولیں مگر تجمل مرزا کے دل میں لمحے بھر کو بھی رحم نامی جذبہ نہیں ابھرا۔

"میں تمہارے مکر و فریب میں کسی طرح آنے والا نہیں یہ پٹی کسی اور کو پڑھانا تمہارے حسن کے قصیدے بارہا میرے سامنے پڑھے ہیں اس نے اور آخر کیوں نہ پڑھتا تم بھی تو اس کی شان میں لمبی چوڑی غزلیں، نظمیں لکھتی تھیں بلکہ اس سے بچھڑ جانے کا دکھ تو اب تک تمہاری شاعری میں بولتا ہے مجھ سے اکثر کہا کرتا تھا تجمل اگر کوئی مجھ سے میری پہلی اور آخری خواہش پوچھے تو میں صرف ایک نام لوں گا اصفیاء۔" تجمل مرزا ہٹیلے، کٹیلے اور جوشیلے لہجے میں بولے تو اصفیاء بیگم سر تا پا لرز کر رہ گئیں یہ دیکھ کر کہ اپنے جھوٹ کو سچ

ثابت کرنے کے لیے کس طرح الزامات عائد پر عائد کیے جا رہے ہیں اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے کسی دوسرے کی ذات کو بے وزن، بے وقعت کیے ڈال رہے ہیں محض غلط فہمی یا خود ساختہ شک و وہم کی بنیاد پر۔

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں وہ ایسا نہیں کہہ سکتے۔" ان کی حالت غیر ہونے لگی وہ نیم مردہ لہجے میں بولیں۔

"دھڑک گیا نا دل کس بے قراری سے تصدیق کر رہی ہو کیوں نہیں کہہ سکتا وہ ایسا کیا زندگی بھر بھانڈا نہ پھوڑنے کا وعدہ لے لیا تھا اس پھنوں سے جو اتنے یقین سے بول رہی ہو۔" تجمل مرزا کے تو جیسے پتنگے لگ گئے وہ چراغ پا ہو گئے اصفیاء بیگم کے اعزاز پر اتنے بھروسے اعتماد پر حمایت پر۔

"اس سے آگے آپ سوچ بھی کیا سکتے ہیں ذہنیت سے مجبور جو ہیں اپنی وہ آپ کی طرح پست ذہن و سوچ رکھنے والے غلط آدمی نہیں ہیں اسی لیے کہا ہے میں نے ایسا۔" اب کی بار اصفیاء بیگم نے ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔

"وہ صحیح آدمی تھا تو ٹسوے بہاتا کیوں چھوڑ گیا تمہیں، کیوں چھوڑا تم نے اسے کیوں نہیں کر لی تھی اس سے شادی اگر کوئی قلق ہو رہا ہے اس بات کا دل میں تو بتا دو میں آج اور اسی وقت آزادی کا پروانہ دینے کے لیے تیار ہوں یہ تو میں ہوں جو تم جیسی عورت کو برداشت کیے ہوئے ہوں ورنہ کوئی شریف آدمی ایسی بد چلن، آوارہ منش عورت کو اپنے گھر میں رکھنا تو کجا ایک لمحے کی پناہ دینے سے بھی انکاری ہوتا چٹیا سے پکڑ کر نکال باہر کرتا۔" تجمل مرزا شکست برداشت نہ کرتے ہوئے زہر اگل رہے تھے۔

"طلاق کی دھمکی دے کر عورت کو بے بس کر دینا آپ مردوں کا پرانا وطیرہ ہے میں ان عورتوں میں سے نہیں ہوں جو۔۔۔"

اصفیاء بیگم دکھ اور کرب سے نڈھال لہجے میں بولیں زندگی کے چوبیس برس ساتھ گزارنے کے بعد بھی اس بڑھاپے میں بھی اب تک اس شخص کا اعتماد بحال نہیں ہوا الجھی دکھتی سوچ ذہن پر برچھی کی مانند لگی۔

"تم ان شریف عورتوں میں سے نہیں جو ڈولی میں بیٹھ کر شوہر کے گھر میں داخل ہوتی ہیں اور جنازے کی صورت رخصت ہوتی ہیں یہی کہنا چاہتی ہو نا تم لیکن میں بھی تمہیں اچھی طرح بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں تمہیں اتنی آسانی سے طلاق دینے والا نہیں تاکہ تم اپنے اس پرانے عاشق کے پاس چلی جاؤ۔" عورت کو کمزور پڑتے نہ دیکھ کر ان کے اندر کے جلاد صفت مرد نے پھر نیا حربہ آزمایا اور اصفیاء بیگم کا ادھورا جملہ اپنے طنز بھرے لفظوں سے مکمل کیا۔

"آپ کی گندی، گھٹیا، پنچ ذہنیت کی پستی کی حد یہیں تک ختم ہوتی ہے اس سے آگے اور کیا کہہ سکتے ہیں آپ کوئی اور الزام لگانا رہ گیا ہو تو وہ بھی لگا دیں میرے مرنے سے پہلے دل کی حسرت پوری کر لیں کہیں کوئی ارمان رہ نہ جائے دل میں۔" وہ ٹوٹے پھوٹے لہجے میں بولیں تو فتح یابی کے احساس نے تجمل مرزا کو جیسے اکڑا دیا۔

"تم بڑی ڈھیٹ جان ہو اتنی جلدی مرنے والی نہیں ہو بعض لوگوں کو اپنے اعمال کی سزا دنیا میں بھی بھگتنی پڑتی ہے اور آخر میں بھی اور تم ان ہی لوگوں میں سے ایک ہو ابھی تو عذابوں کا ایک لامتناہی سلسلہ بھگتنا ہے تمہیں ابھی سے مرنے کی باتیں نہ کرو میری زندگی غارت کر دی تم نے اتنی پرسکون موت تو مرنے نہیں دوں گا تمہیں تڑپ تڑپ کر سسک سسک کر مرو گی تم۔" تجمل مرزا کا لہجہ شعلہ تھا اور الفاظ دھواں اڑا رہے تھے۔

"اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟ آپ کا شمار بھی تو ان ہی لوگوں میں ہوتا ہے رہی بات عذاب کی تو آپ سے بڑا اور کیا عذاب مسلط ہو گا مجھ پر۔" وہ ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے بولیں۔

"بد زبان عورت۔" چیختے چنگھاڑتے لہجے کے ساتھ ایک زوردار دھماکے کی آواز آئی جو تجمل مرزا کے

اصفیاء بیگم کو بالوں سے پکڑ کر دیوار پر دے مارنے سے پیدا ہوئی تھی۔

ایسا صرف آج ہی نہیں ہوا تھا بلکہ یہ تو آئے دن کا معمول تھا تجمل مرزا کا پسندیدہ مشغلہ اصفیاء بیگم کے وجود میں لفظوں کی سوئیاں چبھونا تھا نہ جانے کون سے جذبے کس احساس کمتری کی بدولت وہ اکثر ایسا کیا کرتے تھے۔

تجمل مرزا اصفیاء بیگم کے والد رشید صاحب کے کسی دور پار کے کزن کے بیٹے تھے جو کہ پاکستان بننے کے بعد سے مستقل طور پر کراچی میں مقیم تھے رشید صاحب دوسرے صوبے میں رہائش پذیر تھے جو کہ ملازمت کے سلسلے میں کراچی آ گئے تھے جس کی وجہ سے تمام رشتہ داروں سے رابطہ تقریباً "منقطع سا ہی ہو گیا تھا۔ تعلق بس برائے نام رہ گیا تھا۔ بس ٹیلی فون اور خطوط تک محدود کہ ان کی حیثیت اتنی نہ تھی کہ سال چھ مہینے میں ہی اپنے آبائی گاؤں کا چکر لگا لیتے۔

ایک دن وہ اپنے دوست کے یہاں گئے تو وہاں دوست کی بہن سے ملاقات ہوئی اور وہ ان کی بہن کی خوبصورتی پر مر مٹے اس طرح آمنہ بیگم ان کی زندگی میں شامل ہو گئیں دوست بھی بے چارہ اتنا صاحب حیثیت نہ تھا کہ ان کی کچھ مالی امداد کر سکتا۔ شادی کے بعد اخراجات میں اضافہ ہوا تو رشید صاحب پارٹ ٹائم ایک ورکشاپ میں کام کرنے لگے، وہاں ان کے ذمے گاڑیوں کے اسپیئر پارٹس وغیرہ کا حساب کتاب تھا، ورکشاپ کے مالک نے ان کی ایمانداری، شرافت اور محنت و لگن سے خوش ہو کر انہیں اپنے ذاتی شوروم میں منتقل کر دیا یہاں رشید صاحب گاڑیوں کی خرید و فروخت کا کام انجام دیا کرتے تھے ان کی محنتی طبیعت کی بدولت دیکھتے ہی دیکھتے کاروبار چمک اٹھا اور شوروم کے مالک نے انہیں فل ٹائم جاب کی پیشکش کر دی رشید صاحب نے جس پرائیویٹ آفس میں وہ کام کرتے تھے ورکشاپ میں کام کرنے کے ساتھ وہاں سے استعفیٰ دے کر یہ نئی ذمے داری خوشی سے قبول کر لی اس جاب میں زیادہ فائدہ تھا اسی لیے پرائیویٹ آفس کی ملازمت ترک کر دی اس طرح شوروم میں کام کرنے کی بدولت ان کی آمدنی میں اچھا خاصا اضافہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے اپنے سالے کو بھی یہیں لگوا دیا تھا ایک روز تجمل مرزا کے والد کار خریدنے کے سلسلے میں شوروم آئے ان سے رشید صاحب کی بس رسمی سلام دعا تھی۔ گہرے مراسم و تعلقات نہ تھے کہ رشتہ خاصا دور کا تھا۔ اس مڈ بھیڑ میں تجمل مرزا کے والد نے انہیں بتایا کہ انہیں اپنے وسیع کاروبار کو سنبھالنے کے لیے کسی ایماندار اور قابل بھروسا آدمی کی ضرورت ہے جو کہ ان کی عدم موجودگی میں ان کے کاروبار کی دیکھ بھال کر سکے کہ انہیں بزنس کے سلسلے میں دوسرے ممالک میں بھی آنا جانا پڑے گا۔ اب وہ کاروبار کو مزید وسعت دینا چاہتے تھے۔ رشید صاحب چونکہ ان کے رشتے دار بھی تھے اس لیے ان سے زیادہ پر اعتماد شخص ملنا مشکل تھا اتنے اچھے موقع کو کھو دینا بے وقوفی تھی۔ سو رشید صاحب نے ان کی یہ آفر منظور کر لی۔ تجمل مرزا کے والد کے توسط سے انہوں نے اپنا ذاتی کاروبار بھی کرنا شروع کر دیا وہ مختلف پاکستانی مصنوعات اندرون ملک اور بیرونی ممالک کی مصنوعات وغیرہ ایکسپورٹ امپورٹ کرنے لگے تجمل مرزا کے والد کی معاونت سے اب وہ اس قابل ہو چکے تھے کہ ان کی مدد کے بغیر بھی اب اپنا کاروبار علیحدہ بھی کر سکتے تھے انہیں اس کام کا کافی تجربہ ہو چکا تھا اچانک تجمل مرزا کے والد کی کمپنی و کارخانہ مالی بحران کا شکار ہو گئی اور گھاٹے میں جانے لگی۔ [illegible] مشینیں خراب ہو گئی تھیں جس کی وجہ سے کاروبار ٹھپ ہو گیا تھا کئی قرضوں کا بار بھی سر پر تھا ان کے پاس آرڈر کئی تھے لیکن فکسڈ ڈیٹ پر مال سپلائی کرنا اب ان کے لیے ممکن نہ رہا تھا ان مشینوں کے پارٹس مغربی ممالک میں ہی مل سکتے تھے کیونکہ یہ وہیں سے خریدی گئی تھیں مالی طور پر تو تجمل مرزا کے والد مستحکم تھے مگر پھر بھی کچھ پیسوں کی کمی پڑ گئی تھی کہ انہیں جائیدادیں بنانے کا شوق تھا اس لیے انہوں نے کئی بنگلے کوٹھیاں خرید رکھی تھیں لیکن وہ سب کی سب تالا لگا کر بند پڑی تھیں کرائے وغیرہ پر نہیں چڑھائی

تھیں انہوں نے اب اتنی جلدی ان کو بیچ کر یا فروخت کر کے پیسہ حاصل کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ اس آڑے وقت میں رشید صاحب نے ان کی مدد کی اور اس طرح اب وہ ان کے بزنس پارٹنر بن گئے تھے مگر رشید صاحب اپنے وہ برے دن نہیں بھولے تھے کہ جب ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا وہ تجمل مرزا کے والد کے احسان گزار ممنون و مشکور تھے۔

ادھر تجمل مرزا اور اصفیاء بیگم عمروں کا سفر طے کرتے کرتے جوانی کی منزل کو چھو چکے تھے اعزاز اصفیاء بیگم کے ماموں کا لے پالک بیٹا تھا۔ وہ بے اولاد تھے ماموں کا گھر ان کے بنگلے سے دو گلیاں چھوڑ کر ہی واقع تھا اعزاز کی معمول سے بڑھتی دلچسپی اصفیاء بیگم میں اور آمد و رفت اصفیاء بیگم کے گھر میں تجمل مرزا کو بڑا کھٹکتی تھی کہ وہ اصفیاء بیگم کو پسند کرتے تھے اصفیاء بیگم کی اعزاز سے بے تکلفی انہیں بری طرح کھلتی تھی لیکن وہ کچھ کہہ نہیں سکتے تھے کہ بااختیار نہیں تھے اور جب آمنہ بیگم کے بھائی نے اصفیاء بیگم کے لیے اعزاز کا رشتہ دیا تو تجمل مرزا بری طرح سٹپٹا گئے اور بولائے بولائے پھرتے رہے اور اسی چکر میں انہوں نے اعزاز سے دوستی پکی کر لی اور اپنی چکر پھیریاں اصفیاء بیگم کے یہاں زیادہ کر دیں۔ اصفیاء بیگم کے دل میں اعزاز کے لیے کوئی ایسا گوشہ موجود نہ تھا جس میں ذرا سی بھی پسندیدگی کے جذبات پائے جاتے ہوں وہ ہمیشہ اعزاز کو بھائی ہی کہہ کر مخاطب کرتیں اور دل سے سمجھتی بھی تھیں جب کہ اعزاز کے دل کی حالت ان سے قدرے مختلف تھی انکے دل میں ہمیشہ اصفیاء بیگم کے لیے محبت سے متعلق جذبات پروان چڑھتے رہے جس کا اظہار انہوں نے اپنی سادگی و معصومیت کی بناء پر تجمل مرزا سے کر دیا تھا باتوں باتوں میں وہ اپنے دل کا گہرا راز فاش کر گئے اور قسمت کو جام کر گئے تھے۔

جب بھی اعزاز ان کے یہاں آتے تجمل مرزا کو نہ جانے کیسے خبر ہو جاتی کہ وہ بھی ان کا پیچھا کرتے کرتے یہاں تک پہنچ جاتے پھر جتنا وقت وہ یہاں گزارتے ان کی یہی کوشش ہوتی کہ کسی طرح کن سوئیاں لینے میں کامیاب ہو جائیں لیکن ان کی تمام تر سوچیں، کوششیں بے کار اور لاحاصل رہیں کہ اصفیاء بیگم نے جب سے اعزاز سے رشتے کی بات طے ہوئی تھی، پردہ کرنا شروع کر دیا تھا اعزاز سے انہوں نے اعزاز سے شادی کرنے کے متعلق کبھی سوچا بھی نہ تھا وہ کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھیں جب اپنے باپ کو اعزاز کے رشتے سے انکار کے لیے کہیں کیونکہ اس رشتے میں رشید صاحب سے زیادہ آمنہ بیگم کی مرضی و پسندیدگی کا دخل تھا رشید صاحب کو یہ بات بہت کھٹکتی تھی کہ ایسا لڑکا جس کے خون، خاندان، حسب نسب کا پتا نہیں وہ اس سے اپنی بیٹی بیاہنا نہیں چاہتے تھے کہ ایسا شخص بھروسے کے قابل نہیں ہوتا، جانے کب دغا دے جائے کب راستہ بدل جائے اس لیے کہ وہ سگے رشتوں کی ہر ڈور ہر بندھن سے آزاد ہوتا ہے کسی وقت بھی دھوکا دے سکتا ہے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں اس کے سر پر کسی اپنے بزرگ، بڑے کا سایہ نہیں لیکن آمنہ بیگم کا کہنا تھا کہ اعزاز ان کے بھائی کے یہاں طویل عرصے سے قیام کر رہا ہے انہوں نے اس کا بچپن و جوانی دیکھ رکھی ہے وہ اس کی اچھی بری تمام عادات سے اچھی طرح باخبر ہیں وہ ایسا لڑکا ہرگز نہیں ہے وہ انسانیت سے پیار کرنے والا لڑکا ہے اور جو انسان سے پیار کرے وہ کبھی رشتوں کے تقدس کی بے حرمتی یا پامالی نہیں کر سکتا ہے جب اصفیاء بیگم نے دبی زبان میں رشید صاحب سے اپنی ناپسندیدگی کا اس رشتے سے اظہار کیا تو انہیں جیسے ایک آسرا مل گیا، دل کو ڈھارس ہوئی کہ اس معاملے میں بیٹی کی رائے ان کے دل کی سوچ سے سو فیصد متفق تھی اور یوں اعزاز کو انکار کر دیا گیا۔ ماموں کچھ عرصے تک تو ان سے روٹھے رہے لیکن پھر حالات معمول پر آ گئے۔ اعزاز حقیقتاً پیاری نیچر اچھی طبیعت کا حامل لڑکا تھا، اس نے کبھی ان لوگوں کی طرف سے کینہ نہیں رکھا دل میں کہ انہوں نے اسے ٹھکرا دیا ہے۔ تجمل مرزا سے بھی کوئی جذباتی وابستگی نہ تھی اصفیاء بیگم کے دل کو لیکن ان سے منسوب کیے جانے کے بعد ان کے دل نے پسندیدگی،

پیار، محبت جیسے جذبوں کے ساتھ دھڑکنا شروع کر دیا تھا۔ تجمل مرزا منگنی کے بعد بھی ان کی طرف سے مطمئن نہ تھے ان کو ہر وقت یہی دھڑکا، یہی خطرہ لگا رہتا کہ شاید کسی بھی وقت یہ تعلق یہ رشتہ ختم کر دیا جائے گا اور اصفیاء بیگم اعزاز کے ساتھ رشتہ جوڑ لیں گی ان کو اصفیاء بیگم کا اعزاز سے بات بھی کرنا ناگوار گزرتا تھا مگر یہ وقت وہ نہ تھا کہ وہ اپنا رعب جھاڑتے یا اختیار کا استعمال کر سکتے منگنی کی ڈور تو کچے دھاگوں سے بندھی ہوتی ہے بلکہ شاید اس سے بھی نازک ہوتی ہے ایک طرف کے جھٹکے سے بھی معمولی کھچاؤ پیدا ہونے پر ٹوٹ سکتی ہے یہی بات سوچ کر وہ خاموش رہتے، اعزاز اب ان کا حقیقی اور صحیح معنوں میں رقیب روسیاہ بن چکا تھا وہ اس کے سامنے کسی بہادر فوجی کے سے انداز میں جو دشمن کے آگے سینہ پھلا کر تن کے جاتا ہے فخر سے تن کے جاتے یہ جتانے کہ انہوں نے اصفیاء بیگم کو ان سے چھین کر انہیں اور ان کے جذبوں کو شکست فاش دی ہے ان کا بس چلتا تو وہ اصفیاء بیگم کو کہیں قید کر دیتے جہاں بقول ان کے وہ اعزاز کی للچائی ندیدی اور حد درجہ گندی اور خراب نظروں سے محفوظ رہتیں یا پھر وہ اصفیاء بیگم کے یہاں چوکیداری کے فرائض بھی سر انجام دینے سے گریزاں نہ ہوتے۔ اصفیاء بیگم ان کے شک کو جس کا اظہار وہ بات چیت کے دوران روانی میں کر جاتے، محبت کی شدت سمجھتی رہیں کہ منگنی سے قبل تجمل مرزا کی شرط تھی کہ اصفیاء بیگم ان سے پردہ نہیں کریں گی۔ وہ انہیں بہت چاہتے ہیں اور دیکھے بناء نہیں رہ سکتے، یوں بھی وہ رشتہ دار بھی ہیں اصفیاء بیگم کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اپنی عدم موجودگی میں بھی اپنے کان دیواروں پر چپکا کر چلے جاتے تھے اور نگاہیں دروازوں پر گاڑ آتے تھے وہ اس طرح کہ انہوں نے اصفیاء بیگم کے ایک نوکر کو خرید لیا تھا جو ان کے یہاں ملازمت کرتا تھا اور اس بات کا احساس یا خبر اصفیاء بیگم کو آج تک نہ ہو سکی تھی۔ وہ ملازم چند ٹکوں کے عوض نہ جانے کون سی اور کہاں کہاں کی جھوٹی سچی ملاتا رہتا اور دو زندگیوں میں زہر گھولتا رہتا اور تجمل مرزا کا یقین راسخ ہوتا چلا جاتا۔ اب وہ ضد اور انا کے حصار میں مقید تھے اور اصفیاء بیگم کا حصول محبت کے لیے نہیں بلکہ انا کی تسکین کے لیے چاہتے تھے۔

جلد ہی وہ دن آ گیا جب وہ رخصت ہو کر تجمل مرزا کے گھر آ گئیں اور قسمت کی بربادی کا آغاز ہوا۔ ان کی شادی کے بعد اعزاز دلبرداشتہ ہو کر بیرون ملک سیٹ ہو گیا کہ تجمل مرزا کو ان کا اصفیاء بیگم کے والدین سے بھی ملنا جلنا گوارا نہ تھا روز روز کے لڑائی جھگڑوں سے بچنے کی خاطر اصفیاء بیگم نے اعزاز کو اپنے والد سے کہلوا دیا کہ وہ یہاں سے کہیں دور چلا جائے ورنہ ان کی زندگی تباہ ہو جائے گی لیکن جھگڑے پھر بھی ہنوز برقرار رہے۔ تجمل مرزا کے دل میں شک کی دراڑ جو پڑ چکی تھی۔ تجمل مرزا کی مکروہ عادات اور شخصیت کے پرت ان پر کھلتے چلے گئے اور وہ حیران ہوتی چلی گئیں۔ تجمل مرزا نے اعزاز کے جانے کے بعد ہی اپنا ٹرانسفر دوسرے شہر میں کرا لیا تھا شادی کے بعد تو وہ جیسے ہنسنا بھول گئی تھیں خوشی، سکون کے لمحات کو ترس گئی تھیں۔

"مما کھانا کھا لیجیے۔"

"مجھے نہیں کھانا کوئی کھانا وانا" وہ متورم آنکھوں پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دیتے ہوئے بولیں۔

"کیا پھر آج پپا سے کچھ کھٹ پٹ ہوئی ہے؟" دلکش نے ٹٹولتی نگاہیں ان کے چہرے پر جماتے ہوئے کہا۔

"دلکش! ابھی تم اتنی بڑی نہیں ہوئی ہو کہ۔۔۔ تم کھاؤ جا کر بھوک لگے گی تو کھا لوں گی میں بھی۔" انہوں نے ڈپٹتے ہوئے کہا۔

دلکش اپنی سہیلی نغمانہ کے یہاں سے واپس آئی تو گھر میں چھائی غیر معمولی خاموشی دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ ہر طرف ہو کا سا عالم تھا، سناٹا تھا ملازمین بھی خاموشی سے اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ مالی بابا جو کہ خانساماں کی ڈیوٹی بھی ادا کرتے تھے وہ بھی اپنے کوارٹر میں خلاف معمول جلدی ہی دبک گئے تھے۔

"مما! آپ لوگ کیوں آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں، نغمانہ کے مما پپا اتنے پیار سے رہتے ہیں کہ کوئی لڑائی جھگڑا شاید ہی ہوا ہو ان کے درمیان ان کی آپس میں ایک دوسرے سے محبت احترام دیکھ کر یقین ہی نہیں آتا کہ وہ کبھی ناراض بھی ہوئے ہوں ایک دوسرے سے۔" اس کا دل بری طرح دکھ گیا اپنے گھر میں بے چینی، اضطراب، بے سکونی پا کر ہمیشہ کی طرح۔

"میں جھگڑا کرتی ہوں یا تمہارے پپا بے بنیاد الزام تراشی کر کے میرا خون جلاتے ہیں۔"

"وہ جو کہتے ہیں کہنے دیا کریں انہیں، آپ جواب نہ دیا کریں اس طرح ان کو اور جوش آ جاتا ہے ایک چپ سو کو ہراتی ہے، دو فریقوں میں جھگڑا ہو تو ایک فریق خاموش ہو جائے تو جھگڑا طول نہیں پکڑتا۔ آپ کی خاموشی سے ان کا غصہ ٹھنڈا ہو جایا کرے گا بجائے یہ کہ آپ مجھے سمجھائیں مجھے سمجھانا پڑ رہا ہے۔" وہ دھیرے دھیرے بولی۔

"خاموش رہ کر بھی دیکھ لیا میں نے، اگر تردید نہ کروں تو کہتے ہیں چور کی داڑھی میں تنکا ہوتا ہے نا اسی لیے خاموش ہو، اگر بولوں تو بد زبانی کے طعنے دیے جاتے ہیں، جاہلوں کی طرح ہاتھا پائی کی جاتی ہے مجھ پر مار کٹائی تک پہ اتر آتے ہیں، کیا تم اپنے باپ کو نہیں جانتیں، اسے کسی طور پر قرار نہیں، نہ خود چین سے رہنا اس نے سیکھا ہے نہ دوسروں کو رہنے دیتا ہے سکون سے۔ اس کی زبان میں ہر وقت چیونٹیاں کاٹتی رہتی ہیں اور تم، باپ نے کم دکھ دیے ہیں تمہارے جو تم بھی جی جلانے آ جاتی ہو میرا [illegible] کے دو پاٹوں کے درمیان پس کر رہ گئی ہے میری ذات ایک طرف باپ بہتان تراشی کرتا ہے تو دوسری جانب بیٹی بھی مجھے ہی مورد الزام ٹھہراتی ہے۔" دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے وہ اس پر برس پڑیں۔

"اوہ مما! میں تو سکون کے ایک [illegible] لمحے کے لیے ترس گئی ہوں، کیا کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ لوگ پیار و محبت، امن و صلح سے رہیں، کب آئے گا ایسا دن آئے گا بھی۔" وہ گہری مایوسی سے بول رہی تھی جس کا عکس اس کے جملوں ہی سے نہیں چہرے پر بھی نمایاں تھا۔

"دلکش! تم اپنی عمر سے بڑی باتیں نہیں کرنے لگی ہو، صرف تمہارے لیے، تمہاری ہی وجہ سے تمہاری ہی خاطر تو اس شخص کے ساتھ چوبیس سال سے نباہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں اور تم، خون اپنا اثر ضرور دکھاتا ہے، یہ تم نہیں تمہارے باپ کا لہو بول رہا ہے، تمہارے اندر، اللہ! میں نے اپنی زندگی کیوں برباد کر لی نہ جانے کیا ہو گیا تھا مجھے کہ اچھے خاصے رشتوں کو ٹھکرا کر اس ظالم کی قید چن لی۔" وہ ہذیانی کیفیت میں مبتلا ہو کر خود کو نوچنے کھسوٹنے لگیں۔

"مما میں پپا کی حمایت تو نہیں کر رہی ہوں، مانتی ہوں پپا واقعی آپ کو سخت ذہنی اذیت پہنچاتے ہیں، وہ ایسا کیوں کرتے ہیں مما کیوں ہیں وہ ایسے نغمانہ کے پپا تو۔۔۔" ابھی وہ اپنا جملہ مکمل بھی نہ کر پائی تھی کہ تجمل مرزا نہ جانے کہاں سے بوتل کے جن کی صورت میں نمودار ہو گئے۔

"خوب! تو اب بیٹی کو میرے خلاف اکسایا جا رہا ہے، کیا پٹی پڑھا رہی تھیں اسے اپنی چرب زبانی کے جراثیم اس کے اندر بھی منتقل کر رہی ہو۔" تجمل مرزا کی نگاہوں میں خنجر کی سی چبھن تھی۔ "اور تم تمہارے منہ میں بھی اس کی زبان بولنے لگی ہے، کھال میں رہو تم اپنی ورنہ ناؤ گیٹ لاسٹ آئندہ یہ حمایتی کردار ادا کرتے نہ دیکھوں تمہیں۔" وہ اس کی طرف گھومے اور سارا غصہ اس پر انڈیل دیا، وہ مرے مرے قدموں سے اپنے بیڈ روم میں لوٹ آئی، سارے گھر کی فضا مکدر سی ہو گئی تھی اور ایسے ماحول میں کسی شے کا حلق میں اتارنا بالکل یوں تھا جیسے سوکھی خشک گھاس یا خالص کانٹے نگلے جا رہے ہوں، دل ہر چیز سے اکتا گیا تھا ٹی وی دیکھنے کو بھی جی نہ چاہا حالانکہ آج ٹی وی سے اس کا پسندیدہ ڈراما نشر ہونے والا تھا وہ تکیوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"اللہ میاں جی، میں کیا کروں مما کی حمایت کروں تو پپا ناراض ہو جاتے ہیں، پپا کی سائیڈ لوں تو مما روٹھ جاتی ہیں میں دو حصوں میں بٹ کر رہ گئی ہوں اور دل

کئی ٹکڑوں میں ٹوٹ کرپارہ پارہ ہو گیا ہے مما پپا آپس کے اختلافات کو جھگڑوں کی صورت میں بڑھاتے رہتے ہیں، نہیں سوچتے کہ ان کی اس حرکت کی وجہ سے میری شخصیت مسخ ہو رہی ہے میری ذات کا وقار، اعتماد مجروح و پسپا ہوتا چلا جارہا ہے میں کسی سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتی حتیٰ کہ گھر کے ملازمین سے بھی پپا سے اچھا تو شرفو ہے، گلو ہے، جو اپنی بیویوں کو...." سوچتے سوچتے اس کا دماغ شل ہو گیا مضطرب ذہن کو نیند نے ہی سکون فراہم کیا۔

والدین کے لڑائی جھگڑوں کے کتنے مضر اثرات بچوں کے معصوم نمو پاتے، نوخیز ذہنوں پر مرتب ہوتے ہیں کاش اس کا اندازہ و احساس ایسے والدین کو ہوتا تو شاید وہ ایسی سنگین غلطی قیامت تک نہ کرنے یا دہرانے کا عہد کر لیتے ناپختہ، کچے ذہنوں میں کتنی خراشیں پڑ جاتی ہیں دل میں کتنے ہی گھاؤ گہرے ہوتے جاتے ہیں ان معصوم بچوں کے حتیٰ کہ زندگی تک میں سلوٹیں پڑ جاتی ہیں احساس کمتری، انجانا خوف، بے جاو بلاوجہ اور خوامخواہ کی جھجک ان کی ذات کے اعتماد کو پسپا کرتے چلے جاتے ہیں جو کہ آگے چل کر زندگی کو مشکل سے مشکل ترین بناتے چلے جاتے ہیں ان کے ذہنوں پر والدین کے یہ اختلافات انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں جس کے نقش ان کی آئندہ یا عملی زندگی پر بھی واضح ہوتے ہیں ان کی سوچنے، سمجھنے کچھ حاصل کرنے کچھ کر دکھانے کی تمام صلاحیتیں مفقود ہو کر رہ جاتی ہیں زندگی امنگ نامی جذبے سے خالی ہو جاتی ہے ہر خواہش روٹھ جاتی ہے وہ کوئی مقام حاصل نہیں کر پاتے پھر ان کا ذہن اس قابل نہیں رہتا کہ کسی بھی حالات، مشکلات یا مصیبت کا مقابلہ ڈٹ کر کر سکیں یا مسائل کا حل پر اعتماد ہو کر ڈھونڈ سکیں۔ وہ فیصلہ ضرور کرتے ہیں ان حالات پر قابو پانے کا مگر اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے قاصر ہوتے ہیں کہ وہ فیصلہ یا ارادہ اتنا کمزور اور کچا ہوتا ہے کہ عمل کی طرف قدم بڑھانے سے پہلے ہی لمحوں میں ڈھے جاتا ہے۔ کسی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے ہی وہ سوچوں کے درمیان میں ہی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جاتے ہیں حالات کے آگے خود کو سرنگوں کر دیتے ہیں یا خود کو ان برے بھلے حالات کے سپرد کر دیتے ہیں اور یہ خود سپردگی انہیں مہنگی پڑ سکتی ہے طوفانی موجوں کے، زندگی کے اتار چڑھاؤ کے خود کو حوالے کر دیتے ہیں اب ان کی قسمت کہ حالات کے دریا میں غراتے اس بپھرے طوفان کو ان پر رحم آجائے اور وہ ساحل پر پھینک کر پار لگا دیں یا بھنور انہیں اپنے اندر کہیں پیس لے ایسے بدنصیب بچے ہمیشہ سہارے کی تلاش میں بھٹکتے رہتے ہیں ان کی ہمت، حوصلہ پروان چڑھنے سے پہلے ہی جو پارہ پارہ کر دی جاتی ہے لبوں کو اظہار سے قبل ہی روک جو دیا جاتا ہے اسی لیے۔ وہ ذرا ذرا سے مسئلوں کو بھی آفت ناگہانی تصور کرتے ہیں ذرا ذرا سی بات ان کے لیے لاتعداد اور گھمبیر مسائل کا انبار کھڑا کر دیتی ہے مثلاً "اگر ایسے ہوا تو کیا ہو گا ہم تو کچھ نہیں کر سکتے ان کے اندر دفاع کی قوت کمزور پڑ جاتی ہے اور اس بڑی کمزوری سے دوسرے لوگ فائدہ اٹھانے سے بھی نہیں چوکتے بچے اپنے آپ کو طوفان خیز حالات کے سپرد کر دیتے ہیں جہاں بیشتر کی زندگی دوسروں کے زیر تسلط محکوم گزرتی ہے جب کہ اکثر نفسیاتی امراض کا شکار ہو کر پاگل پن کی حد تک کو چھو لیتے ہیں ہر طور پر ان کی زندگی میں ایک خلاء، ایک بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے جو کسی طرح بھر نہیں پاتا، غرض زندگی سے یہ خلاء یہ اضطراب سکون چھین لیتا ہے اور اپنی جگہ مستحکم اور پائیدار بناتا جاتا ہے، دل یا ار کمزور پڑ جاتی ہے یا بالکل نہیں رہتی، مسائل کا ایک انبار اکٹھا ہو جاتا ہے زندگی ان کے لیے ایک وبال بن جاتی ہے پھر وہ کبھی اپنے قوت بازو پر بھروسا نہیں کرتے اور نہ ہی کر سکتے ہیں کیونکہ فیصلہ اور عمل کا فقدان ہو تا ہے ان میں قوت فیصلہ کمزور ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔

* ــــــ * ــــــ *

وہ جو کوئی بھی تھا اس وقت اسے پرلے درجے کا احمق اور انتہائی نامعقول دکھائی دے رہا تھا جو کہ اتنا اونچا اور بڑا بھاری تالا گیٹ پر لگا دیکھ کر بھی مسلسل بیل پر انگلی جمائے کھڑا تھا اور تو اور حماقت کی حد یہ کہ دوسرے ہاتھ سے تالا بھی پکڑے ہوئے تھا جو کہ وقتاً" فوقتاً" ہلا جلا کر بجا بھی رہا تھا جیسے ہی اس نے گاڑی باہر نکالی تو اس احمقانہ منظر نے اسے بری طرح جھلا کر رکھ دیا کہ اس کا سامان جو کہ ایک بڑے سوٹ کیس، ایک بریف کیس اور ایک عدد شولڈر بیگ پر مشتمل تھا، سڑک کے وسط میں بے ترتیبی سے پڑا ہوا تھا یوں لگ رہا تھا رکشا یا ٹیکسی سے اتر کر ہر قدم پر ایک ایک سامان بھولتا گیا ہو اور وہ خود مزے سے سامان سے قطعی بیگانہ و لاتعلق سا دور کھڑا تھا۔

"اے مسٹر! نظر کمزور ہے تو چشمہ کیوں نہیں لگوا لیتے، اتنا بڑا تالا دیکھ کر بھی.... اوپر سے میرا راستہ بھی روکے کھڑے ہو۔" شدید جھنجلاہٹ سے اس کے اعصاب تن گئے تھے۔

"آپ کا راستہ میں روکے کھڑا ہوں۔" متحیر لہجے میں کہا گیا تو وہ بری طرح تپ کر رہ گئی۔

"نہیں جی! میں خود ہی یہاں آپ کے درشن کی خاطر گاڑی روکے کھڑی ہوں۔" کہنے کو تو کہہ گئی لیکن معنوں پر غور کر کے شرمسار ہو گئی کہ وہ بڑی گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"او رئیلی! تھینکیو سو مچ ویسے اس میں اتنا شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں اکثر لڑکیاں پہلی ہی ملاقات میں ہی میری اسمارٹنس اور بیوٹی سے متاثر ہو کر ایسا کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔" وہ اپنے خوبصورت بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سنوارتے ہوئے بولا تو جیسے اس کے تن بدن میں آگ سی بھر گئی۔

"مجھے واقعی ترس آرہا ہے آپ پر، ویسے آپ ایسے لگتے تو نہیں کتنے عرصے سے مبتلا ہیں آپ اس ذہنی معذوری میں۔" وہ پور پور سلگتے ہوئے بولی۔

"یوں تو ماشاء اللہ سے آپ بھی ٹھیک ٹھاک دکھائی دیتی ہیں آہ! تقدیر بھی کتنی سنگدل ہوتی ہے اچھے بھلے انسان کو...." وہ بھی اسی کے لہجے میں حیرت کا اظہار کرنے لگا۔

"آپ اتنے احمق لگتے تو نہیں کہ...." وہ جل ہی اٹھی تھی۔

اس کا جملہ پورا ہونے سے قبل ہی وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولا۔ انداز اب بھی اسی کے جیسا تھا۔

"یوں تو آپ بھی جیسی دکھائی دے رہی ہیں ویسی لگتی تو نہیں کیا ایسا ہے چپکے سے بتا دیں کسی سے نہیں کہوں گا ایمان سے پکا وعدہ ہے نہیں بتا رہیں، اچھا کان میں بتائیں گی۔" وہ جو رخ موڑے اس کی جانب پوری طرح سے متوجہ تھا اس کی گاڑی کی سمت بڑھ کر ڈرائیونگ سیٹ کی کھڑکی کے نزدیک آتے ہوئے جھک کر بولا۔

"بلاوجہ فری ہونے کی کوشش نہ کریں آپ سمجھے سامان ہٹائیں اپنا۔" وہ اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے ناگوار۔ لہجے میں بولی۔

"یہ سراسر الزام ہے، بہتان ہے، پسندیدگی کا اظہار آپ نے کیا ہے یا میں نے۔" اس کی بات پر غصے نے اس کے دل و دماغ ہلا کر رکھ دیئے تو دلکش جلتے بھنتے اس کے سامان کی ٹوٹ پھوٹ کی پرواہ کیے بغیر تیزی سے گاڑی آگے بڑھا لے گئی پھر جب تک وہ نغمانہ کے یہاں رہی ہشاش بشاش رہی واپسی پر گھر کے نزدیک جوں جوں آتی گئی اس کے اعصاب تنتے چلے گئے کہ یقیناً" تجمل مرزا نے پھر کوئی نیا ہنگامہ برپا کیا ہو گا حسب عادت و مزاج۔

"خوب تو اپنے ہی گھر میں نقب زنی۔" گیٹ پر ہارن دیتے ہوئے اس کی نظر برابر والی کوٹھی پر پڑی تو اس کی ہلکی سی ہنسی نکل گئی، اس کا سامان نظر نہیں آرہا تھا جو غالباً" وہ اندر پھینک چکا تھا اور اب خود دیوار پھاندنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ اس کی آمد سے یکسر بے نیاز و بے خبر شاید اس کے گھر والے ابھی تک لوٹے نہ تھے۔

"اچھا! اگر ایسا تھا تو تمہارا مجنوں ابھی تک کنوارا کیوں پھر رہا ہے۔" تجمل مرزا دہاڑتے لہجے میں بول رہے تھے۔

"شادی کرنا یا نہ کرنا ان کا ذاتی مسئلہ تھا ان کے شادی سے انکار یا تاخیر کی وجہ میں نہیں ہوں۔ آپ کے گندے دماغ کی ان ہی پر تعفن سوچوں کی بدولت

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM

آپ سے کوئی نہیں ملتا ورنہ آپ اس بات سے کبھی بے خبر نہ رہتے کہ اعزاز بھائی اپنا گھر بسا چکے ہیں۔" اصفیاء بیگم کمزور لہجے میں بول رہی تھیں جانتی تھیں وہ کچھ بھی کہہ لیں کوئی سی قسم اٹھالیں تجمل مرزا اپنی جگہ سے ٹس سے مس ہونے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔

"واہ واہ! بڑی معلومات اکٹھی کر رکھی ہیں اس کاکروچ کے بارے میں اور کون کون سی خبریں و اطلاعات اور یادیں ذخیرہ اندوز ہیں تمہارے دل میں اس کی! ظاہر ہے محبت کو بھلانا آسان کام تو نہیں۔" وہ طنز و طعنوں کے نشتر ان کی رگ رگ میں چبھوتے ہوئے بولے۔ "یاد آیا کہیں تمہاری مخبر تمہاری وہی سہیلی تو نہیں جو تمہارے چکروں کی رازداں بھی تھی کیا نام رکھا تھا میں نے اس کا براسا ہاں شبراتن اسی سے تو شادی نہیں کرادی کہیں تم نے اس تخنجو کی تاکہ بظاہر شادی کا ڈھونگ رچا کر تم سے ملاقاتوں میں آئندہ موقع ملے تو آسانی ہو' لگتا ہے فون بھی کٹوانا پڑے گا مجھے گھر بیٹھے تمہارے ربط و رسائل میں جو اضافہ ہو رہا ہے' مجھے اس بارے میں کچھ نہ کچھ سوچنا ہو گا' کرنا ہو گا' ورنہ تم تو اگلو گی نہیں کبھی دل کی بات۔" وہ زہر اگلتے پھنکارتے ہوئے پردہ جھٹک کر کمرے سے نکل گئے اور اصفیاء بیگم ہمیشہ کی طرح گھٹنوں میں سر دیئے سسکتی تڑپتی رہ گئیں اور دلکش جس کو پہلے ہی اس لڑائی کا یقین تھا اپنے کمرے کی کھڑکی سے جھانکتے آسمان پر تیرتے بادلوں کے مرغولوں میں کہیں گم ہو گئی تھی۔ ساری آواز اس تک بخوبی پہنچ رہی تھی لیکن وہ کسی زخمی پنچھی کی مانند پھڑپھڑانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

وہ دکھتے دل کے ساتھ سوچ رہی تھی۔ وہ جہاں بھی جاتی یہ دکھ اس کے احساس کی دنیا کو جھنجوڑ دیتا اس وقت بھی وہ ٹیلر کی دکان میں کھڑی سلوائے ہوئے سوٹ کا مشاہدہ کرتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ ٹیلر ماسٹر نے اس کے دیئے ہوئے ڈیزائن کا سوٹ ٹھیک سیا ہے یا نہیں اپنی سوچوں میں بھٹکی ہوئی تھی کہ دائیں جانب سے دھیرے سے کسی نے اس کا نام پکارا تو اس نے چونک کر سوالیہ نظریں اٹھائیں جاذب اس کے بالکل برابر میں کھڑا تھا غالباً وہ بھی سوٹ سلوانے کے لیے آیا تھا یا پھر لینے کے لیے۔ دلکش کے اپنی طرف دیکھنے سے پہلے ہی گو کہ اس نے اپنی نظریں اس پر سے ہٹا کر سوٹ کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا مگر وہ بھانپ چکی تھی کہ اس نے جان بوجھ کر اسے ہی پکارا ہے اور ظاہر یوں کر رہا ہے جیسے کسی سوٹ کی تعریف کر رہا ہو۔ "لیکن یہ میرا نام کیسے جانتا ہے۔" یہ سوچ اس کے ذہن میں الجھتی چلی گئی۔ وہ پر سوچ نگاہیں اسی پر گاڑے کھڑی تھی کہ وہ بول پڑا۔

"آپ کو نہیں کہہ رہا ہوں آپ بھی ہوں گی آپ کی تعریف کر رہا ہوں واہ' واہ کتنی دلکش ہے' ہے نا دیکھیں تو سہی نہیں دیکھ رہیں نہ سہی۔" وہ اپنی ٹائی پر توصیفی نگاہیں ڈالتے ہوئے بولا پھر اس کے متوجہ نہ ہونے پر شانے اچکا دیئے۔

"سو سویٹ۔" وہ پھر اس کی جانب دیکھ رہا تھا بظاہر سلوائے ہوئے سوٹ پر ہاتھ پھیر رہا تھا دلکش اس کی اس حرکت پر اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

"یہ پبلک پلیس ہے بابا تم ایسے تو نہ گھوریں اگر زیادہ ہی اچھا لگ رہا ہوں تو یوں کرتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں گاڑی میں اچھی طرح گھور لیجیے گا کوئی پابندی وغیرہ نہیں۔" وہ بے حد شریر لہجے میں بولا تو دلکش بل کھا کر رہ گئی۔

"ٹکٹ تو پھر بھی لگتا ہی ہو گا دیکھنے کی چیز جو ہیں یقیناً" بن مانس یا گوریلوں کے قبیلوں سے کوئی نہ کوئی تعلق ہے ضرور آپ کا ویسے میں نے چڑیا گھر میں بھی ایک بار دیکھا تھا آپ کو کب فرار ہوئے وہاں سے۔" وہ بدلہ اتارتے ہوئے طمانیت سے مسکرائی۔ "ارے کہاں جب سے آپ وہاں آئیں یاد نہیں پبلک مجھے چھوڑ چھوڑ کر کیسے آپ کی جانب لپک رہی تھی پھر میں ہوں ذرا جیلس قسم کا بندہ مجھ سے برداشت نہ ہو سکا کہ کسی بندریا کا مقابلہ مجھ سے کیا جا رہا تھا اسی لیے وہاں سے بھاگ آیا اور آپ کا آنا کس طرح ہوا وہاں سے؟"

اس نے اس کے کرلی بالوں پر فقرہ کستے ہوئے مزے سے پوچھا دلکش کے تو جیسے سر سے پاؤں تک چنگاریاں سی دہکنے لگیں' وہ غراتے ہوئے شاپ سے باہر نکل آئی۔

"دلکش۔"

ابھی چند ہی قدم آگے بڑھ پائی تھی کہ وہ پیچھے سے آواز دیتا ہوا پھر اس کے روبرو کھڑا تھا۔ "شش شش' اے! اے لڑکی! سویٹ گرل' اے نادان مغرور حسینہ۔" اس کا چہرہ دائیں طرف موڑ لینے سے وہ اسے اپنی جانب دیکھنے پر مجبور کرتے ہوئے چھیڑ رہا تھا۔

"کیا بدتمیزی ہے! آپ بہت بے ہودہ شخصیت کے حامل ہیں۔" وہ غصے سے پھنکاری۔ "دیکھ نہیں رہے کہ۔" اس نے دائیں بائیں نظریں دوڑاتے ہوئے اسے سختی سے سرزنش کی۔

"اگر لوگوں کا اتنا ہی خیال ہے تو پہلی آواز پر کیوں نہ رکیں' اتنی دور تو نہ تھیں کہ آواز سنائی نہ دی ہو گی تینوں پکارے گئے خطابات میں سے آخری خطاب نے آپ کو اٹریکٹ کیا' نادان و مغرور حسینہ آج کل کی لڑکیوں کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے تعریف سن کر فوراً خوش ہو جاتی ہیں اور رک بھی جاتی ہیں۔" وہ جیسے اپنے آپ سے گویا ہو۔

"میں تعریف سن کر نہیں رکی آپ کے بے ہودے پن کی وجہ سے رکنا پڑا آپ کی زبان کو روکنے کی خاطر پہلی آواز پر یوں نہ رکی کہ آپ کا اسٹائل ایسا تھا جیسے کسی بلی کتے کو ڈرا کر بھگا رہے ہوں یا پھر گدھے یا گھوڑے کو ہنکار رہے ہوں دوسری بار یوں نہیں ٹھہری کہ انداز ایسا تھا جیسے کہ کسی رکشا یا ٹیکسی کو روکا جا رہا ہو اور اسی لیے نہیں مڑی کہ شاید آپ کو عقل آجائے گو کہ ایک ناممکن سی بات تھی اسی لیے تیسری بار یہی سوچ کر میں۔۔۔" وہ خوامخواہ وضاحت کرنے لگی حالانکہ اس کی عادت دو ٹوک اور کھری بات کہنے کی تھی۔ "بات جو بھی ہو اینی وے! آپ کو زحمت اسی لیے دی تھی کہ آپ اللہ جانے جان کر یا بوجھ کر میری ٹائی اٹھا کر آگئی ہیں اور اپنا ڈائی دوپٹہ میرے لیے شاپ پر چھوڑ آئیں تھیں' اب بھلا پینٹ کوٹ کے ساتھ دوپٹا اوڑھتا ہوا کیا خاک اچھا لگوں گا۔ اسی لیے واپس کرنے چلا آیا اور آپ بھی قمیض شلوار کے ساتھ ٹائی باندھنا پسند نہیں فرمائیں گی کیا خیال ہے میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر مزید بحث کرنے سے اسے روکتے ہوئے کہا اور اتنی تیزی سے اپنی بات مکمل کی کہ دلکش کو اپنی صفائی میں کچھ بولنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔

"اوہ۔" اس نے جلدی سے اس کے ہاتھ سے اپنا دوپٹا لے کر شاپنگ بیگ میں رکھا اور جانے کے لیے قدم بڑھا دیئے۔

"اے نادان نادیہ۔" وہ پھر پکار اٹھا۔

"اب کیا ہے۔" اس نے حتی الامکان لہجہ نرم رکھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی مہربانی ہو گی۔ اگر میری ٹائی بھی مجھے واپس مل جاتی۔"

"اوہ!" اس نے نرس ہوتے ہوئے ٹائی واپس کی "ویسے تھینک یو کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔"

دلکش جو کار کا دروازہ کھول رہی تھی وہ اس کی جانب پھر لپک آیا تو وہ جو اپنے ہی کسی خیال میں مگن تھی بری طرح اچھل پڑی۔

"تھینکیو۔" وہ بری طرح دہاڑتے ہوئے بولی۔

"ایسا بھیانک و خوفناک تھینکیو میری توبہ جو آئندہ آپ سے کبھی شکریئے کی فرمائش کروں۔" وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولا تو چند لمحے کے لیے ایک ہلکی سی مسکراہٹ نے دلکش کے نازک لبوں کی پنکھڑی کھلا دی۔

"میرا نام جاذب ہے۔" اس کی مسکراہٹ کا سہارا پا کر وہ اپنا تعارف کرانے لگا۔ "حال ہی میں امریکا سے ایم بی اے مکمل کر کے لوٹا ہوں اور اب گھر بسانے کا ارادہ ہے جاب کی آفر مجھے پہلے سے کر دی گئی تھی۔"

"تو آپ یہ سب مجھے کیوں بتا رہے ہیں؟" وہ ترچھی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"اسی لیے کہ آپ مجھے اچھی لگتی ہیں دلکش! آپ کے دلکش حسن نے میرا دل کشید کر لیا ہے

دلکش۔" وہ گھمبیر لہجے کو مزید خوبصورت بناتے ہوئے بول رہا تھا۔

"آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا؟" دلکش اس کے جملوں پر غور کیے بغیر اپنے نام پر چونکی۔

"میں اپنا سورس کبھی نہیں بتاتا' یہ راز کی بات ہے' راز میں ہی رہنے دیں اگر مستقبل میں کوئی ایسا گہرا تعلق پیدا ہو گیا ہمارے درمیان تو اس راز کو افشاں کرنے کے بارے میں سوچا جاسکتا ہے واہ ری قسمت آپ نے بات بھی کی تو کون سی اس وقت تو آپ کو مجھے کل شام چائے کی دعوت پر بلانا چاہیے تھا۔"
غصیلے انداز میں وہ اس کے گھورنے کی پرواہ کیے بغیر کہہ رہا تھا۔

"دلکش سنیے نا دیکھیں ناراض ہونے والی کوئی بات نہیں میں اپنا سورس اسی لیے نہیں بتا رہا ہوں کہ آگے معلومات کا راستہ بند ہو جائے گا اور ابھی آپ کے بارے میں آپ کی پسند و ناپسند کے بارے میں آپ کے معاملات کے بارے میں' کافی معلومات درکار ہیں مجھے۔" وہ اسٹیئرنگ وہیل پر ہاتھ جماتے ہوئے بولا اسے گاڑی اسٹارٹ کرنے سے روکتے ہوئے۔

"آپ میرے معاملات میں انٹرسٹ کیوں لے رہے ہیں۔" وہ غصے کی شدت پر قابو پاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"اس لیے کہ میں آپ کی ذات میں انٹرسٹڈ ہوں ازاٹ کلیئر۔"
اس نے اس کی جانب جھک کر تیزی سے کہا اور اسٹیئرنگ وہیل سے ہاتھ ہٹا کر کار کی کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گیا تو دلکش نے کوئی جواب دیے بغیر ایک' جھٹکے سے کار اسٹارٹ کردی۔ ہو نہ ہو یہ گلویا شرفو ہی اس کے سورس ہو سکتے ہیں وہ غصے سے سوچ رہی تھی۔

بزنس ٹور پر جانے کے لیے سلیکشن بورڈ نے نجل مرزا کا انتخاب کیا تھا' وہ نہ جانے کس طرح مجبوراً" راضی ہوئے جانے کے لیے' کیونکہ یہ پہلی بار ان کا سلیکشن ہوا تھا ایسا کہ وہ کچھ کر نہیں پا رہے تھے ورنہ وہ ہمیشہ ہی وزٹ کینسل کرا دیتے تھے۔ جاتے جاتے حسب عادت وہ اصفیاء بیگم کو دھمکیاں' نصیحت اور الزامات لگانے نہ بھولے تھے وہ کہہ گئے تھے کہ وہ جا تو رہے ہیں مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ یہاں سے بے خبر رہیں گے چنانچہ ان کی غیر موجودگی کا ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ وہ تقریباً" دو مہینے کے لیے انگلینڈ روانہ ہو چکے تھے جس کی وجہ سے گھر کا چپہ چپہ چین و سکون کی بنسی بجاتا نظر آرہا تھا۔

"پپا! دوسروں کے باپ جب گھر میں آتے ہیں تو طمانیت' خوشی' سکون' تحفظ کے احساسات سے ان کے چہرے جگمگا اٹھتے ہیں اور ایک آپ ہیں جن کی غیر موجودگی اس گھر میں اطمینان بخش رہی ہے یہ احساس میرے لیے کس قدر شرمناک ہے پپا کیا بتاؤں مگر سچ یہی ہے کہ آپ کے بغیر اس گھر میں زندگی میں کتنا سکون محسوس ہو رہا ہے پپا کیا آپ نغمانہ کے ابو جیسے نہیں بن سکتے کبھی۔" آزردہ سی سوچیں دماغ میں گردش کررہی تھیں جس کی لہریں دل میں بھی سرایت کررہی تھیں دکھ کا ایک گھمبیر احساس من کو بوجھل کرتا چلا جارہا تھا اور اس سوچ اور احساس کو بھٹکانے کے لیے اس نے نغمانہ کے گھر کا رخ کرنا بہتر سمجھا مما حسب معمول ہمیشہ کی طرح سلیپنگ پلز لے کر سو رہی تھیں تو وہ شرفو کو مما کو جاگنے پر مطلع کردینے کا کہہ کر گیرج کی جانب بڑھ گئی۔

"یہ کیا کہہ گیا ہے وہ۔" جیسے ہی تنہائی ملی جاذب کے خیال نے ذہن کو آدبوچا "نہیں مجھے اس کو آگے بڑھنے سے پہلے ہی روک دینا چاہیے وہ نہیں جانتا کہ اگر میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی تو اس کی کتنی بڑی' کتنی تلخ سزا بھگتنی پڑے گی میری مما کو' پپا کو تو ایک اور بہانہ مل جائے گا' ایک اور موضوع مل جائے گا' انہیں طنز و تحقیر کا نشانہ بنانے کے لیے انہیں ذلیل کرنے کے لیے انہیں میری ذات سے کوئی معمولی سا بھی دکھ پہنچے میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ میری وجہ سے کبھی بھی آزردہ ہوں یہ سچ ہے جاذب کہ پہلی ملاقات میں ہی پہلی نظر میں ہی میرا دل تمہاری چاہت کا اسیر ہو چکا تھا لیکن جس حقیقت کا

جس سچائی کا سامنا کرنے سے میں کترا رہی تھی نظر بچا رہی تھی دل کو جھٹلا رہی تھی' دل سے اٹھنے والی تمہارے پیار کی صداؤں کو نہ سننے کی خاطر سماعتوں پر میں نے پردے ڈال دیئے تھے میں جان چکی تھی کہ میں تمہیں کسی طرح بھی کبھی بھی نظرانداز نہیں کرسکوں گی لیکن جاننا نہ چاہتی تھی میں سمجھ چکی تھی تم بھی میری جانب متوجہ ہو رہے ہو' دل کی گہرائیوں اور تمام تر سچائیوں سمیت لیکن سمجھنا نہیں چاہتی تھی کہ ا حاصل ہے کچھ جاننا سمجھنا میرے لیے کہ ایسا سوچنا ہی بے کار ہے' ایسا ہونا ناممکن ہے پپا ایسا ہرگز نہ ہونے دیں گے کہ وہ میرا رشتہ اپنے باس کے بیٹے سے طے کرنا چاہتے ہیں اور مجھے باخبر کرنے سے ان کا مقصد یا اشارہ یہی تھا کہ میں ایسی کسی سوچ کو کبھی بھی دل میں جگہ نہ دوں کہ اپنی پسند سے شادی کرنے کا سوچوں بھی اگر میری کوئی پسندیدگی ہے بھی تو نکال پھینکوں مما کی رائے یا ان کی ذات بھی جب ان کے نزدیک کوئی اہمیت' درجہ' مقام نہیں رکھتی تو بھلا میری یا میری خواہشوں کی کیا حیثیت ہوگی ان کے سامنے کسی کی نہیں چل سکتی مما کی سفارش بھی نہیں میرے آنسوؤں کی فریادیں بھی نہیں میں بہت بے بس ہوں' بہت مجبور خدا کے لیے تم میرے دل سے نکل جاؤ چلے جاؤ ہمیشہ کے لیے میری سوچوں سے کہیں دور' بہت دور میری نظروں سے اوجھل ہو جاؤ کہ تمہاری وہ چاہت میرے دل سے مٹ جائے جو دھڑکن بن کر دل میں دھڑک رہی ہے۔"

اداس سوچوں کی اداسی دل کے اندر حلول کر گئی تھی۔ دل کسی ناسور کی مانند دکھ رہا تھا۔ "ہو سکتا ہے دلکش تمہارا اندازہ غلط ہو اس کے جملوں کا جو مطلب تم نے اخذ کیا ہے وہ درست نہ ہو۔"

"نہیں۔" اس کی آنکھیں بہت سچی تھیں دل کے جذبوں کا عکس ان میں بھرپور طریقے سے جگمگا رہا تھا محبت کی جو سنہری ڈور اس کی آنکھوں میں اس لمحے لہرا رہی تھی وہ مصنوعی رنگوں سے سجی ہوئی نہ تھی۔" وہ اپنے خیال کی تردید کرتے ہوئے خود کلامی کی کیفیت میں بول رہی تھی۔

"یہ سرد ہوائیں نہ جانے کیوں دل میں منجمد جذبوں کو اپنی فطرت کے برخلاف پگھلا دیتی ہیں دل کے اندر کہیں چھپی ہوئی' دبی ہوئی آرزوؤں' تمناؤں کو دھڑکنوں میں سجا دیتی ہیں ناکام حسرتیں خواہشیں جب ان میں ضم ہوتی ہیں تو ہر اک دھڑکن زخم زخم ہو جاتی ہے دل بلک اٹھتا ہے' روح تڑپ جاتی ہے اور یہ اعتراف شکست انسان کو کس قدر مہنگا پڑتا ہے کہ تقدیر کے آگے اس کی حیثیت ایک بے دام غلام کی سی ہے پھر محبت کسی خودرو پودے کی طرح بغیر کسی خواہش بغیر کسی چاہت کے ہمارے دل میں کیوں اگ آتی ہے چاہت کا وہ جذبہ جس کی ہم کبھی آبیاری نہیں کرتے خود بخود کیسے اور کیوں نمو پا جاتا ہے دل میں بڑھتے بڑھتے روح تک کو اپنی مضبوط گرفت میں جکڑ لیتا ہے شاید اس لیے کہ محبت انسان کی فطرت کا تقاضا ہے' یہ جذبہ اس کے خمیر میں گندھا ہوا ہے کیونکہ خدا بھی تو صرف اور صرف پیار اور محبت ہے پھر مخلوق میں اپنے خالق کی ایسی پیاری صفات کی تھوڑی بہت جھلک تو ضرور ہو گی۔"

"دلکش۔" مما کی آواز پر ذہن کے گرد اپنا دائرہ وسیع کرتے خیالات کو اس نے سمیٹا اور ایک نظر برابر والوں کے لان میں ڈال کر آگے بڑھنا چاہا مگر جیسے ذہن نے اس کے قدم پکڑ لیے دل نے کوئی فریاد کی تڑپ بھری التجا کی اور اسے چند لمحوں کے لیے رکنا پڑا۔ اس کے براؤن بال' بادامی آنکھیں ڈھلتی دھوپ کی چاندنی میں چمک کر اور زیادہ نمایاں ہو رہے تھے اجلی رنگت اپنے اجالے بکھیر رہی تھی براؤن پینٹ شرٹ میں ملبوس وہ بالکل چاکلیٹی ہیرو لگ رہا تھا وہ لان میں اخبار کی ورق گردانی میں مصروف اس کی نگاہوں سے بے خبر ولاعلم تھا وہ نہ جانے کیوں اس کا تفصیلی جائزہ لینے پر مجبور ہو گئی نہ چاہنے کے باوجود دل کی آنکھوں سے دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔ دل کی اس کو یوں ہی جی بھر کر تکتے رہنے کی طلب جو کہ بڑھتی چلی جارہی تھی کو رد نہ کرسکی۔ "یااللہ! اس شخص کو میرا مقدر کردے۔" دل

کی اس دعا پر وہ گھبرا اٹھی، اس سے قبل کہ وہ وہاں سے ہٹتی اسی دم جاذب کی براؤن غلافی آنکھوں کی خمیدہ پلکیں اٹھیں اور نگاہیں کسی اور چیز پر پڑے بغیر براہ راست اس کی نظروں سے ٹکرا گئیں، نظروں کے اس حسین تصادم و ٹکراؤ پر دل جھوم اٹھا اور روح سرشار ہو گئی، دونوں جانب یہی کیفیت تھی۔

"ہائے۔" اسے دیکھتے ہی وہ جھٹ سے کھڑا ہو گیا اور خوش دلی سے ہاتھ ہلانے لگا تو دلکش نے کھڑکی کے شیشوں پر پردہ گرا دیا اور وہاں سے ہٹ گئی، ایسا تو پہلے کبھی بھی نہ ہوا تھا کوئی دل سے اچانک کتنا قریب ہو گیا تھا سارے فاصلوں کو مٹا کر حقیقت یہ ہے کہ دل کے فیصلے لمحوں میں ہوتے ہیں اور یہ فیصلے دل خود ہی کرتا ہے اور ہم دل کی اس خواہش کا جی جان سے احترام کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں انسان کتنا لاچار و مجبور ہے اک دل کے آگے۔

"مما! کچھ کہہ رہی تھیں آپ؟" ابھی اس نے چند قدموں کا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ سامنے سے مما چلی آئیں۔ شاید اس کی جانب سے مکمل سکوت پا کر وہ اسی کے کمرے کی طرف آ رہی تھیں۔

"یہ برابر والوں کا ٹیلی گرام پوسٹ مین ہمارے ہاں ڈال گیا ہے غلطی سے، تم دے آؤ انہیں۔" مما نے ٹیلی گرام اسے تھماتے ہوئے کہا۔

"مما! اگر پپا کو معلوم ہو گیا کہ آپ نے مجھے پڑوس میں بھیجا تھا تو کیا ہو گا، یاد ہے وہ کیا کہہ کر گئے تھے آپ سے۔" وہ سہمے سہمے لہجے میں بولی۔

"تمہیں تو اتنی اجازت دی ہوئی ہے انہوں نے ورنہ تم نغمانہ کے گھر بھی نہیں جا سکتی تھیں۔" مما نے اسے جیسے یاد دلاتے ہوئے کہا۔

"پھاڑ کر پھینک دیں کیا ضروری ہے کہ انہیں دیا جائے۔" وہ کسی الجھن کا شکار تھی یا پھر جاذب کا سامنا کرنے سے کترا رہی تھی۔

"ہوں! کیا خبر یہ لیٹر ان کے لیے کتنا اہم ہو اور پھر ہمیں کسی کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے، اچھی بات نہیں ہے یہ۔" مما نے اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"گلو یا شرفو کو میں خود بھیجنا نہیں چاہتی ہوں گلو تو کام نہ کرنے کے بہانے تراشتا رہتا ہے، اسے تو یہ ایک نہایت اچھا موقع ہاتھ لگ جائے گا، منٹوں کا کام گھنٹوں میں انجام دینے کا شرفو کو ایک بار بھیج کر تو دیکھو گھر سے باہر سارا محلہ کیا بازار تک تفریح کر آتا ہے چاہیے باقی سارے کام ادھورے پڑے رہیں۔ اس کی تفریح لازمی ہے ان کی اور بیویوں کی عادات بھی ان سے مختلف نہیں ہے جہاں جائیں گی وہیں کی ہو کر رہ جائیں گی۔ اب تو تمہارے پپا بھی موجود نہیں جو تھوڑا بہت ڈر خوف کر لیں انہی کا ادھر کی باتیں ادھر سر کانا ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے ویسے ہی تمہارے پپا کارنامے انجام دیتے رہے ہیں۔ ملازموں کی زبانی کیوں محلے بھر کو یہاں کے تماشے بتانا چاہتی ہو۔"

مما کی اس قدر تفصیلی وضاحت سے اکتا کر اس نے لیٹر برابر والوں کو دے دینا ہی مناسب سمجھا دل کو سنبھالتی راضی کرتی وہ جاذب کی طرف چلی آئی۔ جاذب ابھی تک لان میں اسی پوزیشن میں اس کے کمرے کی کھڑکیوں کے شیشوں پر نظریں جمائے بیٹھا ہوا تھا۔ شاید وہ دلکش کی کوئی جھلک پانے کے لیے منتظر تھا ابھی تک لان کے چھوٹے سے گیٹ کھٹکھٹانے کی مدھم سی آواز ابھری تو دلکش کو اپنے سامنے پا کر اسے حقیقتاً کی اس دلکشی پر ڈھیروں پیار آ گیا نظر جس کو ڈھونڈ رہی تھی دل جس کے لیے مچل رہا تھا وہ آنکھوں کے سامنے تھی خوشیاں جیسے چاروں طرف سے پھوٹ نکلی

"زہے نصیب! وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے ہم تو بس ان کو اور بار بار ان کو دیکھتے ہیں سوری کبھی ہم ان کو اور کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں میرے لائق کوئی خدمت معاف کیجیے گا۔ آپ کو اندر بلانا بھول گیا۔ اصل میں آپ کو یہاں دیکھ کر دل ایک خوبصورت سے احساس کے زیر اثر آ گیا ہے۔" اس نے پھر معنی خیز جملے بولنے شروع کر دیئے۔

"مجھے ذرا جلدی ہے اس لیے اس وقت اندر نہیں آ سکتی یہ آپ کا لیٹر پوسٹ مین ہمارے ہاں ڈال

گیا تھا۔" اس نے لیٹر اسے پکڑاتے ہوئے کہا۔

"وہ ڈال گیا تھا یا آپ نے ہمارے لیٹر بکس سے اڑا لیا تھا یا خود سے اس سے لے لیا تھا پوسٹ مین سے یہاں آنے کے لیے مجھ سے ملنے کی خاطر۔" وہ شوخی سے بولا۔

"جی نہیں مجھے ایسا کوئی شوق نہیں فضولیات و لغویات سے ہمیشہ دور رہتی ہوں۔" وہ تلخی سے بولی مگر وہ نظرانداز کر گیا۔

"کاش آپ اپنا لیٹر لے کر آتیں۔" اس کا مطلب تھا کہ وہ اسے خط لکھتی دلکش کے لبوں پر اس کے شرارتی جملے سے حسین سی مسکراہٹ نمودار ہوئی جو جلد ہی معدوم ہو گئی وہ جانے کے لیے مڑی۔

"دلکش! تم مجھ سے اتنا کتراتی کیوں ہو۔" اس کے اپنائیت بھرے لہجے پر وہ پلکیں جھپکا کر رہ گئی۔ کتنا پیار تھا اس کی نگاہوں میں جاذب نے یکلخت اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں چھوڑیں میرا ہاتھ۔" وہ ہاتھ چھڑانے کی سعی میں نڈھال ہوئی جا رہی تھی۔

"پیچھے کہاں پڑا ہوں میں تو محض ایک جانب کھڑا ہوں اور یہ ہاتھ چھوڑنے کے لیے نہیں پکڑا ہے عمر بھر کے لیے تھامنے کی خواہش کے ساتھ پکڑا ہے۔" اس نے اس کا نازک ہاتھ مزید جکڑ لیا۔

"پلیز میرا پیچھا چھوڑ دیں آپ کو کچھ حاصل نہیں ہو گا۔" وہ بے چارگی سے بولی۔

"میں جس راہ پر ایک بار اپنے قدم بڑھا دوں پھر پیچھے نہیں ہٹتا کچھ حاصل کیسے نہیں ہو گا تم مل جاؤ گی تو دو جہاں میرے ہوں گے۔" وہ بدستور شوخ لہجہ اپنائے ہوئے تھا۔

"اس لیے کہ اپنے وعدوں کا پاس آپ نہیں رکھ سکیں گے، اپنی بات کا بھرم قائم رکھنا خود آپ کے لیے مشکل ہو جائے گا۔" وہ درشت لہجے کی تمام ترشدتوں سے بولی تو وہ چونک کر سنجیدہ ہو گیا۔

"میں قول دے کر پھرتا نہیں، وعدہ کر کے مکرتا نہیں، میری چھوڑو اپنی مرضی بتاؤ کیا تم ایگری ہو۔"

"آپ اچھی طرح سوچ لیں ایسا نہ ہو کہ اپنے فیصلے پر بعد میں آپ کو پشیمان ہونا پڑے میں نے زندگی سے اتنے دکھ پائے ہیں کہ اب مزید کسی دکھ کا بوجھ دل سہارنے کی ہمت نہیں رکھتا جاذب صاحب کہیں ایسا نہ ہو کہ جب دل کے جذبوں پر آپ کے نام کی مہر ثبت ہو جائے تو آپ راہ بدل جائیں۔" وہ آزردگی سے بولی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی سچائی اس کے لفظوں پر نہ چھا سکی۔

"تم ایگری ہو۔" جاذب نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گہرے لہجے میں سوال دہرایا۔

"معلوم نہیں۔" وہ شرما کر ہنس پڑی مارے شرم کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ جاذب نے شرارت بھی تو ایسی ہی کی تھی۔

"جو کہنا چاہیے تھا وہ تو کہا نہیں حقیقت سے دامن بچانے، نظر پھیر لینے، منکر ہو جانے سے فرار حاصل نہیں ہوتا کیا تم نہیں جانتیں تم بانسری کے دکھ بھرے سروں کے ساتھ ملن کا مدھر سریلا نغمہ گنگنانے کی کوشش کر رہی ہو۔ تم نے بہت برا کیا دلکش نہ صرف خود کے لیے بلکہ جاذب کے ساتھ بھی بہتر یہی ہے کہ ابھی سے سنبھل جاؤ۔ خواہشوں کی پتھریلی راہوں پر چلو گی تو دل میں سوائے چھالوں اور آبلوں کے کچھ باقی نہ رہے گا۔" عقل کی اس ملامت پر وہ افسردہ ہو گئی۔

"میں اسے روکنا چاہتی تھی پر نہ جانے کیوں نہیں روک سکی۔ شاید اسی لیے کہ اس کے جملوں میں میرے دل کی تمنا بچی تھی کچھ بھی ہو تمہیں دل پر جبر کرنا ہی ہو گا کہ جو تم چاہتی ہو ہو نہیں سکتا۔"

عقل نے بے رحمی سے کہا تو دل تڑپ کر رہ گیا۔

تجمل مرزا کی واپسی سے دو دن قبل تک وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکی۔ بارہا چاہا کہ جاذب کو انکار کر دے مگر دل نے گڑگڑا کر اس فعل سے باز رکھا اس نے ٹھان لیا کہ پپا سے دو ٹوک بات کرے گی یوں بھی تجمل مرزا بہرحال اس کے پپا تھے اسے ان کی پدرانہ شفقت پر بھروسا تھا کہ ان کی اکڑ پر ان کی شفقت غلبہ پا لے گی۔

بیٹی کے ساتھ وہ ایسا رویہ روا نہیں رکھ سکتے۔ وہ دل کو اور دل اسے تسلیاں دیتا رہا تجمل مرزا کی واپسی کی خبر نے اس کی ہمتیں سلب کرلیں اور اس نے جاذب سے صاف بات کرلینا ہی مناسب سمجھا قدرت نے بھی اسے کھل کر موقع فراہم کیا جاذب کا نمبر ڈائریکٹری سے حاصل کر کے ڈائل کیا تو اتفاق سے اسی نے ریسیو کیا۔

"تو پپا کی آمد کی اطلاع دینے کے لیے فون کیا ہے۔ یقین کرو میں بھی اتنا ہی بے چین ہو رہا ہوں جتنی کہ تم ہو۔" وہ کتنا خوش ہو رہا تھا۔

"نہیں بلکہ یہ بتانے کے لیے کہ جو تم سوچ رہے ہو ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔" وہ اسے دکھی کرنا نہیں چاہتی تھی مگر وقت کا تقاضا یہی تھا۔

"لیکن اس دن تو تم نے اگر تم مجھے اس دن ہی انکار کردیتیں تو اچھا ہوتا' میں اتنا آگے تو نہیں بڑھتا' اب واپسی میرے لیے ممکن نہیں' میں نے تمہارے تصور کے سنگ کئی خواب دیکھ ڈالے ہیں سنگدل بے وفا لڑکی اگر تم اس وقت میرے سامنے ہوتیں تو تھپڑوں سے تمہارا منہ سرخ کردیتا جب میں اپنی ساری کشتیاں جلا بیٹھا تب مجھے واپسی کا کہہ رہی ہو' پیار میں واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا' اتنے دن گزارنے کے بعد کہہ رہی ہو کہ ایسا نہیں ہوسکتا اب خبر دے رہی ہو دل کی تباہی کی۔ میرے جذبوں احساسات دل سے کھیل کر مجھے وجہ بتاؤ میں تمہارے دل سے اتر گیا ہوں یا کوئی اور نظروں میں بس گیا ہے۔" وہ چبھتے لہجے میں بولا۔

"یہ بات نہیں ہے جاذب۔"

"بات کچھ بھی نہیں ہے محترمہ اگر ہے تو صرف یہ کہ اول آخر میرے جذبوں سے کھیلتی رہی ہو تم میں تمہیں اس طرح اپنے خوابوں کو مسمار کر کے جذبوں کی لاشوں پر کسی اور کی سیج سجانے نہیں دوں گا۔" وہ زہر خند لہجے میں بولا اور سلسلہ منقطع کردیا۔

تجمل مرزا انگلینڈ سے آچکے تھے۔ دن رات میں پھر وہی اداسیاں تلخیاں سمٹ کر آگئی تھیں۔ آج کل ان پر دلکش کا رشتہ پکا کرنے کی دھن سوار ہوگئی تھی اس معاملے میں انہوں نے جھوٹے منہ بھی اصفیاء بیگم کا عندیہ معلوم نہ کیا تھا۔ غم اور دکھ دائرہ در دائرہ کی صورت دلکش کے وجود کو گھیرتے چلے جارہے تھے اصفیاء بیگم سے دل کی بات کہہ کر اب وہ قدرے مطمئن تھی کہ انہوں نے اس کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔

"میں نے اس کو اتنا خوش پہلے کبھی نہیں دیکھا مرزا صاحب! نہ چھینیے اس کے لبوں سے روپہلی مسکراہٹ۔" وہ گڑگڑاتے ہوئے بولیں۔

"مگر اس کی خوشی کا اندازہ تھا تو پھر یہ احساس بھی ہوگا کہ یہ خوشی بے معنی ہے' روکا کیوں نہیں اسے اپنے نقش قدم پر چلا رہی تھیں۔ میں جانتا تھا تمہارے سابقہ عشقیہ ریکارڈ کی بدولت ایسا ہی ہوگا۔"

"شادی لڑکے لڑکی کی باہمی رضامندی و خوشی سے ہوتی ہے۔" وہ صلح جو لہجہ برقرار رکھے ہوئے تھیں بیٹی کے مستقبل کی خاطر ان کے کڑوے جملے برداشت کررہی تھیں۔

"اچھا! یہ تو میں جانتا ہی نہیں تھا ویسے تمہاری شادی میں تمہاری رضامندی کو کس حد تک دخل تھا؟" ان کا طنزیہ لہجہ اصفیاء بیگم کے دل کو چھلنی چھلنی کرگیا۔

"ایک بات کان کھول کر سن لو اس گھر میں ہمیشہ سے وہی ہوتا آیا ہے جو میں نے چاہا اور آئندہ بھی وہی ہوگا جو میں چاہوں گا کہو اس سے کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائے ورنہ مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ تمہارا دل پھینک رنگین طبیعت کا کوئی نہ کوئی رنگ ضرور پڑے گا دلکش پر۔ میری غیر موجودگی میں اس کی حفاظت نہ کرسکی تم' وہ کہاں جاتی ہے' کس سے ملتی ہے' کیوں ملتی ہے' اس کا خیال کیوں نہیں رکھا [illegible] الٹی حمایت لے رہی ہو اس کی' خود بھی تو عشق [illegible] انجام دیے ہیں نا تم بیٹی کو بھی اسی کی تعلیم [illegible] تمہاری یہ ہونی چاہیے کہ اس گھر کے دروازے [illegible] کے لیے تم پر بند کردیے جائیں لیکن [illegible]" غضبناک حد تک جلال چڑھ رہا تھا شرفو [illegible] پر انہوں نے سارا غصہ اس پر اتارا۔

"وہ جی! کوئی ملنے آیا ہے آپ سے۔" شرفو جلدی سے بھاگ گیا۔ جاذب کی امی جاذب کے ساتھ آئی تھیں ان کا سامنا کرنا تجمل مرزا کی برداشت سے باہر تھا اس لیے انہوں نے اصفیاء بیگم کو اچھی طرح سمجھا بجھا کر ان لوگوں کے روبرو کردیا کہ کس طرح کیسے اور کیا بات کہنی ہے اور یہ اچھا بھی ہوا کہ وہ دوسرے کمرے سے ہی ان کی گفتگو سنتے رہے کیوں کہ جب باتوں کے دوران انہیں خبر ہوئی کہ جاذب' اعزاز بھائی کا بیٹا ہے تو وہ بلبلا اٹھے' اب تو اصفیاء بیگم کے سارے ووٹ جاذب کے حق میں ہی تھے لیکن وہ اظہار نہیں کرسکتی تھیں شوہر کے شک آلود ذہن کی وجہ سے خاموش رہیں ان کے جانے کے بعد تجمل مرزا نے آسمان سر پر اٹھا لینے والی کہاوت سچ کردی۔

"میں پوچھتا ہوں اس کی ہمت کیسے ہوئی یہاں تک آنے کی' یقیناً تم نے حوصلہ افزائی کی ہوگی نہ جانے کتنی بار آئے ہوں گے یہ لوگ جبھی تو کہوں کہ تم آخر اتنی حمایت کیوں لے رہی ہو اس آوارہ لڑکے کی۔ سابقہ محبوب کی اولاد جو ٹھہرا وہ۔ بیٹی کے ذریعے اپنا راستہ بنانا چاہتی ہو واہ کیا اسکیم سوچی ہے تم نے سمدھی بنا کر پھر سے ملاقاتیں شروع کرو گی پرانی یادیں تازہ کی جائیں گی' تعلقات دہرائے جائیں گے' ایک دوسرے کے دیدار سے نظروں کو سیراب کیا جائے گا تاکہ بے تاب دل کو تسکین پہنچائی جاسکے' اتنے عرصے کی دوری کے بعد تم واقعی بہت تڑپی ہو اس کے لیے شاید تمہاری دعاؤں ہی کی بدولت وہ بالکل ہمارے برابر والے گھر میں۔ میں بھی کتنا بے خبر تھا تو یہ بات تھی تعلقات ٹوٹ کر بھی نہیں ٹوٹے تھے تمہارے' مجھے تو شک ہے اتنا نزدیک گھر دلوانے میں انہیں تمہارا ہی ہاتھ ہوگا۔" وہ کینہ توز نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولے۔

"میں جاذب کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی خدا گواہ ہے مجھے آج ہی اس بات کا علم ہوا ہے کہ وہ اعزاز بھائی کا بیٹا ہے آپ نے کب مجھے کسی سے ملنے جلنے دیا جو..." وہ ان کے الزام کو برداشت نہ کرسکیں لہجہ بھرا گیا تھا۔

"ان کا دکھ ہو رہا ہے اتنا عرصہ نزدیک رہ کر بھی مل نہ پائیں اس سے اس نے بھی شادی کا ڈھونگ بھلانے کے لیے نہیں تم کو پانے ہی کے لیے رچایا ہوگا بڑی گہری چال چلی ہے' اس نے بڑا خوبصورت پلان بنایا ہے تم تک پہنچنے کا یا تو شادی کرتا ہی نہیں تھا یا..." وہ آنکھیں طنزیہ انداز میں گھماتے ہوئے بولے۔

"آپ پھر شروع ہوگئے' بات نہ بڑھائیں جاذب سے اچھا لڑکا دلکش کو نہیں مل سکتا۔ میری رائے یہی ہے اسے انکار نہ کیا جائے۔" وہ پھر سے مصلحانہ لہجہ اپناتے ہوئے بولیں۔

"اور اعزاز جیسا بڈھا تمہیں نہیں مل سکتا' تمہاری رائے کس نے پوچھی ہے' خبردار جو اب ایک لفظ بھی اس کی حمایت میں بولا کب سے جاری ہے تمہاری ملاقاتوں کا سلسلہ' بہتر ہے تم خود ہی بتادو ورنہ۔" وہ دھمکاتے ہوئے بولے۔

"ضمیر ہے آپ کے پاس یا نہیں، اعزاز بھائی شادی شدہ ہیں تف ہے آپ کی گھٹیا سوچوں پر، میں شادی سے پہلے بھی جب ان کی جانب کبھی ملتفت نہیں رہی تو بعد میں کیا سوال رہ جاتا ہے مگر یقین کرنا تو شاید آپ کو آتا ہی نہیں کیونکہ شاید آپ کی اپنی ذات بھی آپ کے لیے بے یقین رہی ہے۔" اصفیاء بیگم کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

"زبان دراز عورت بدزبانی کرتی ہے۔ مجھے تو دلکش کے اپنی اولاد ہونے پر بھی شک ہے ناک نقشہ پورا اسی ولایتی بلے کا ہے۔" ان کا ہاتھ اٹھتے اٹھتے رہ گیا۔

"کیا! آپ کو اتنا رکیک الزام لگاتے شرم نہیں آتی اب نہیں رہوں گی میں اس گھر میں میرے خدا اس الزام کو سننے سے قبل تو مجھے موت دے دیتا۔" اصفیاء بیگم اس الزام کو سہہ نہ سکیں وہ غم سے نڈھال بری طرح بلک رہی تھیں۔

"جاتی ہو تو جاؤ میں خود تم جیسی آوارہ منش عورت کو اپنے گھر میں نہیں رکھنا چاہتا میں تمہیں طلاق۔۔۔" ان کی بگڑتی نازک حالت کی پرواہ کیے بغیر بولے اس سے پہلے کہ دوسری بار لفظ طلاق دہراتے جاذب اور دلکش کو وہاں موجود پا کر سکتے کے عالم میں جیسے کھڑے تھے کھڑے رہ گئے۔

"دیکھ لیا، سن لیا تم نے یہی وہ وجہ تھی، یہی وہ بات تھی، جو میں تم کو بتانا نہیں چاہتی تھی۔" دلکش نے سسکتے ہوئے اسے جھنجھوڑا۔ جاذب جو اپنی امی کا پرس لینے آیا تھا جو وہ یہاں بھول گئی تھیں گفتگو سن کر ٹھٹک کر رہ گیا تھا۔ تجمل مرزا اسے نہیں دیکھ سکے تھے، نہ ہی اصفیاء بیگم کی نظر اس پر پڑی تھی لیکن دلکش جو نہ جانے کب جاذب کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی جاذب بھی اس کو نہ دیکھ پایا تھا۔

"یہ میرے باپ ہیں جنہیں دولت کی ہوس نے اندھا کر دیا ہے جن کی نظریں سونے چاندی کی چمک سے اتنی چندھیا گئی ہیں کہ انہیں اولاد کا دکھ بھی نظر نہیں آتا انہوں نے بیوی کو کبھی اعتماد نہیں بخشا ان کے منہ سے پیار کے دو بول سننے کو ترستی رہی میری ماں، آپ کتنے بدنصیب ہیں پپا جو ایک اچھی بیوی اور اولاد کی نعمت سے مالا مال ہونے کے باوجود نہ ہی کبھی اچھے شوہر بن سکے اور نہ ہی شفیق باپ، کبھی سوچا ہے آپ نے کتنی بے جان، کتنی نامکمل، کتنی بے رنگ ہے آپ کی زندگی جس کی بے رنگیوں کا عکس مما پر میری ذات پر براہ راست پڑا ہے آپ کو صرف اپنے آپ سے پیار ہے کتنے خود غرض ہیں آپ کہ کسی کے دکھوں سے کوئی سروکار نہیں کسی کے غموں کی کوئی پرواہ نہیں آپ کو فکر ہے تو صرف اپنی خوشیوں، خواہشوں کی آپ نے لوگوں کو ہم پر انگلیاں اٹھانے کا موقع فراہم کیا آپ سے یہی گلہ ہے پپا! ایک یہی دکھ سب سے بڑا ہے کہ آپ کو میری پرواہ، احساس ہی کب ہے آپ دونوں نے مجھے کیوں فراموش کر دیا، جواب دیجیے میں میرا وجود کیوں اتنا غیر اہم ہو گیا کیوں دھندلا گیا تھا میرا عکس آپ کی آنکھوں کے آئینوں پر میرا خیال کیوں نہیں آیا آپ کو میں، میں جانتی ہوں اب بھی یہ سب کہنا رائیگاں ہے، لاحاصل رہے گا، میں حالات سے گھر سے فرار چاہتی تھی پر جاتی تو کہاں جاتی گھٹ گھٹ کر، گھل گھل کر ختم ہو رہی تھی، لمحے لمحے کی موت سے ایک بار ہی مر جانا بہتر ہے اسی لیے میں نے، میں نے۔ اب میں ایک ایسی دنیا کی جانب محو سفر ہوں گی جہاں کوئی غم، کوئی فکر، کوئی دکھ کی پرچھائی تک نہ ہو گی ہر طرف سکون و شادمانی ہو گی آپ جیسے شخص کا مقدر صرف اور صرف تنہائی ہوتی ہے، مما بھی آپ کو چھوڑ کر چلی جائیں گی اور میں، میں تو جا ہی رہی ہوں۔" اس نے ہچکی لی تو سب جیسے سکتے کی کیفیت سے باہر آ کر چونک پڑے اس کے منہ سے خون اور سفید جھاگوں کی دھار بہہ نکلی اور وہ جاذب کے بازوؤں میں جھول گئی۔

"مار ڈالا نا میری بچی کو تم برباد ہو جاؤ گے تجمل مرزا۔" وہ سینہ کوبی کرتے ہوئے کوسنے لگیں۔

"نہیں، میری بیٹی نہیں مر سکتی ہے۔ جاذب بیٹے جلدی کرو کسی اچھے سے ڈاکٹر کے پاس لے چلو اسے۔" وہ ہوش میں آتے ہوئے بولائے بولائے بول

رہے تھے۔

"اب کیا فائدہ۔" اصفیاء بیگم نے آہ بھری۔

"ایسا نہ کہو، اللہ بہتر کرے گا۔" وہ تڑپ کر بولے۔

"اللہ نے تو ہمیشہ ہی بہتر کیا ہے ساری گڑبڑ تو تم ہی پھیلاتے آئے ہو۔"

"آنٹی یہ شکوے شکایتوں بحث و تکرار کا وقت نہیں ہے ایک لمحے کی بھی تاخیر سے ہم دلکش کو کھو سکتے ہیں اب دیر نہیں کریں۔" جاذب گھبراہٹ میں چلایا۔

"ہم نے توجہ ہی نہ دی ہم اپنی باتوں سے جھگڑوں میں اتنے مشغول مگن رہے اور ہماری بچی اندر کی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتی چلی گئی۔" وہ پشیمانی سے بولتے ہوئے اس کے وجود کو بازوؤں میں اٹھاتے ہوئے بولے۔ دلکش نے بھاری مقدار میں ڈی ڈی ٹی پی لی تھی جاذب کی امی کے کوئی عزیز پولیس کمشنر کے اعلیٰ عہدے پر فائز تھے اس لیے کیس نہ بن سکا، نہ ہی خبر اخبار میں جا سکی۔

دو دن زندگی اور موت کی لڑائی جاری رہی دعائیں رنگ لائیں اور زندگی اور موت کی اس کشمکش میں موت ہار گئی۔ تجمل مرزا پھوٹ پھوٹ کر روئے زندگی میں پہلی بار اپنے رب کے آگے سر بسجود ہوئے اور بیوی اور بیٹی سے بھی اپنے سابقہ رویے کی معافی مانگی، وہ کس قدر اذیت ناک زندگی گزار رہے تھے اپنے کھوکھلے شک کی بدولت دوسروں کے گھروں میں جو سکون ہوتا ہے ان کے گھر میں کہاں تھا ہر خوشی اجڑ چکی تھی۔ انہوں نے جاذب اور اس کی امی سے بھی معافی مانگی۔ اعزاز سے معافی مانگنی چاہی تو یہ جان کر انہیں بہت دکھ ہوا کہ وہ جاذب کی پیدائش سے پہلے ہی بیرون ملک ملازمت کے سلسلے میں گئے تھے اور پھر ان کی زندگی کسی حادثے کا شکار ہو گئی اور انہیں واپسی نصیب نہ ہو سکی وہ جس شخص کے لیے لڑ رہے تھے وہ تو کب سے دائمی سکون پا گیا تھا وہ بہت افسردہ ہوئے تھے۔

"مجھے افسوس ہے اگر میں پہلے ہی خودکشی کا ارادہ کر لیتی تو مما، پپا بہت جلد قریب آ جاتے اتنے عرصے لڑتے جھگڑتے نہ رہتے مجھے کیا خبر تھی کہ میری اس حرکت سے ان کی زندگی میں حسین بہاریں کروٹیں لیں گی۔" وہ نقاہت سے بولی اسپتال سے اسے ڈسچارج کر دیا گیا تھا کہ زندگی خطرے سے باہر تھی جاذب اور اس کی شادی کی بات بھی پکی ہو چکی تھی دونوں خاندان بہت خوش تھے اور وہ دونوں بھی۔

"اور جو میری زندگی خزاؤں کی زد میں آ جاتی تو اس کا کیا ہوتا؟" جاذب نے روٹھے روٹھے لہجے میں پوچھا۔

"آ جاتی تو آنے دیتے۔" وہ شرارت سے بولی۔

"یعنی کوئی پرواہ ہی نہیں رہی تمہیں میری اب۔" وہ حیرانی سے بولا۔

"اوں ہوں! بالکل نہیں۔" اس نے شوخی سے سر ہلا کر انکار کیا۔

"یہ بات ہے۔" جاذب اس کی شرارت سمجھتے ہوئے مسکرا دیا۔

"جی جناب بالکل یہی بات ہے۔" اس نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا وہ جاذب کے لیے ہر لحظہ مشکل سے مشکل تر کر رہی تھی اس کی خوبصورتی اور یہ حسین تنہائی اس سے پہلے کہ عقل دل کے آگے زیادہ ٹھہر نہ سکتی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"جا رہے ہیں۔" اس کی معصومیت پر وہ رہ نہ سکا۔ "گستاخی معاف۔" اس کے ہاتھ چوم کر اپنی آنکھوں سے لگا لیے اور اس سے پہلے کہ جاذب کا دل اوور ہو جاتا اس نے وہاں سے اٹھ جانا ہی مناسب سمجھا اس کے تیزی سے بھاگنے سے دلکش بہت کچھ سمجھ چکی تھی اسی لیے مسکرا رہی تھی۔